کے بعد مسلمان کے پاس اب چند بے جان سی نمازیں اور وظائف کی لسانی ورزشیں باقی رہ گئی ہیں، بس انہی کا نام اب مذہب ہے۔ یہ مقالہ اس غلط تصورِ مذہب کے خلاف ایک قسم کا جہاد ہے۔ صدیقی صاحب نے وحدتِ حیات کے اصول کی توضیح کرکے اس حقیقت کی خوب وضاحت کی ہے کہ سیاست اور تمدن کو کفر کے حوالے کر دینے کے بعد مسلمان ہونے کے کچھ زیادہ معنی نہیں رہ جاتے۔ افکار و اعمال کی ایک عظیم الشان مشین میں سے چند پرزے الگ کرکے اگر آپ انہیں ہزار بار بھی گھمائیں، جب بھی وہ مقصد حاصل نہیں ہوگا، جس کے لیے اصل مشین بنائی گئی تھی۔ ہمارے ہاں مقصد تو بھلا دیا گیا ہے اور مقصد کے لیے جو حرکات کی جاتی تھیں بس اُن کی نقالی جاری ہے۔ یہی علت ہے ہمارے خیالات اور کردار کی ساری بے ربطیوں کی۔ ہم اس اسلام کو کبھی دنیا میں غالب نہیں کر سکتے جو انسانوں کی سیاسی اور معاشی مشکلات کو حل نہ کر سکتا ہو اور صرف ایک "بہشتے فی سبیل اللہ" کا خواب دکھاتا رہے۔

پارلیمانی طرزِ حکومت | از جناب منظور الحسن صاحب ہاشمی، بی، اے۔ قیمت ۱۲؍۔ ملنے کا پتہ:۔ دار الاشاعت سلسلۂ اشاعت منزل اردو گلی، حیدرآباد، دکن۔

موجودہ سیاسی دور میں دنیا کی بڑی بڑی ریاستوں کے نظامِ سیاسی کو سمجھنے کی ضرورت واضح ہے۔ افسوس ہے یہ کہنا پڑتا ہے کہ اردو زبان میں اس غرض کے لیے دو چار کتابوں سے زیادہ کچھ نہ ملے گا۔ پیشِ نظر کتاب اگرچہ اونچے درجے کی چیز نہیں ہے تاہم اس کے مطالعہ سے انگلستان، فرانس، سوئٹزر لینڈ اور آسٹریلیا کی جمہوریتوں کا ایک ڈھانچہ سامنے آجاتا ہے۔ اور علم السیاست کی چند ضروری اصطلاحوں کا محدود سا تصور حاصل ہو جاتا ہے۔

ہندوستان میں اسلامی تہذیب | از جناب ڈاکٹر عبد اللطیف صاحب۔ قیمت درج نہیں۔ ملنے کا پتہ:۔ مجلس تہذیب اسلامی، حیدرآباد، دکن۔

یہ مقالہ ان لوگوں کی غلط فہمیوں کے ازالہ کے لیے لکھا گیا ہے جو اسلامی تہذیب کو ڈاڑھی مونچھ کی مخصوص تراش اور پاجامے اور لوٹے کے ایک خاص انداز سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتے۔ ڈاکٹر صاحب اس تصورِ تہذیب کی تغلیط کرکے یہ واضح کرتے ہیں کہ تہذیب مظاہرِ تمدن کا نام نہیں، بلکہ یہ ان اصولوں کا مجموعہ ہوتی ہے جو کسی تمدن کے اندر روح بن کر کام کرتے ہیں۔ مگر ڈاکٹر صاحب سے معذرت چاہتے ہوئے ہم یہ ضرور عرض کریں گے کہ مقالہ میں بہت بڑے بڑے خلا رہ گئے ہیں اور مدعا الجھا ہوا سا ہے۔ دراصل "ہندوستان میں اسلامی تہذیب" جیسا موضوع مقالہ نہیں، مستقل تصنیف چاہتا ہے۔ ہم یہ نہیں سمجھ سکے کہ محترم مؤلف اسلامی تہذیب کے صحیح تصور کو ذہن میں رکھ کر ترکی، ایران، عرب، مصر، فلسطین عراق اور افغانستان کے موجودہ نظامِ زندگی میں "اسلامی روح" کو "حریتِ فکر و عمل" کے پیکر میں کیسے کوشاں پاتے ہیں، جیسا کہ مقالہ کے صفحہ ۲۱ پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔ پھر یہ دعویٰ اور بھی زیادہ حیرت انگیز ہے کہ اسلام کے تصورِ حیات اور نظامِ اجتماعی کو خدا کا نام زبان پر لائے بغیر بھی کسی کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے۔ یہاں تو تصورِ حیات، تصورِ انسان، معیارِ خیر و شر، نظام